تاثرات

آج سے پانچ سال پہلے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ سے میری ایک کتاب "الدین لیسر" شائع ہوئی تھی جس میں ایک جگہ مشرکین اور اہل کتاب سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کے سلسلے میں بھی بحث کی گئی ہے اور آخر میں امام ابوبکر رازی جصاص کی احکام القرآن سے ایک عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی درج کر دیا گیا ہے جو یوں ہے:

"ایک قول یہ بھی ہے کہ مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت صرف ان مشرکین عرب کے حق میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے۔ اسی لیے ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی گئی تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان عورتوں کے مشرک رشتے داروں سے بھی مودّت پیدا ہو جائے اور ان سے قتال کرنے میں ڈھیل ہونے لگے۔ یہ حکم (ممانعت نکاح) ان ذمیوں کے حق میں نہیں جن کی مودّت مسلمانوں سے قائم ہوتی ہے جن سے قتال کرنے سے ہمیں روکا گیا ہے۔ ہاں اگر بات واقعۃً یوں ہی ہے تو اس معنی کے ہوتے ہوئے حربی کتابیہ عورت سے بھی نکاح ناجائز ہونا چاہیئے ......"

اب اس مسئلے کے متعلق ذرا مرزا مظہر جانِ جاناں کے خیالات بھی ملاحظہ فرمایئے۔ ہمیں ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اس نے یہ قیمتی معلومات (جناب عبدالرزاق صاحب قریشی کے توسط سے) ہم پہنچائی ہیں۔ سہولت کے خیال سے میں نے فارسی عبارت کا ترجمہ کر دیا ہے۔ فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں کہ:

"بعض مکتوبات علمی و اعتقادی حیثیت سے خاصے دلچسپ ہیں۔ ان سے مرزا صاحب کے فضل و کمالِ علمی کے علاوہ ان کے نقطۂ نگاہ اور وسعتِ مشرب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا سب سے دلچسپ اور اہم خط مکتوب چہاردہم ہے جس میں انہوں نے ہندوؤں کے آئین و اعتقاد پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ان کے اصول و عقائد اور فروع اعمال کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:

"اہل ہند کی قدیم کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رحمتِ ایزدی نے نوعِ انسانی کی آفرینش کے آغاز ہی میں معاد و معاش کی اصلاح کے لیے وید نامی ایک کتاب بھیجی جو چار حصوں پر مشتمل ہے، اس میں احکام امر و نہی ہیں۔ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں ہیں۔ یہ کتاب ایک فرشتے کے ذریعے برہما پر ——— جو

ایجادِ عالم کا آغاز جا رہا ہے ——— نازل کی۔ ان کے مجتہدوں نے اس کتاب سے چھ (؟) مذاہب استخراج کیے اور اسی پر اپنے اصولِ عقائد کی بنیاد رکھی۔ اس فن کا نام شاستر رکھا یعنی ایمانیات کا وہ فن جو علمِ کلام ہے۔ نوعِ انسانی کے افراد کو انہوں نے چار فرقوں (ورنوں) میں تقسیم کیا اور اسی کتاب سے چار مسلک نکالے اور ہر فرقے کے لیے ایک الگ مسلک قرار دے کر اس کے فروعِ اعمال کی بنیاد اسی مسلک پر رکھی۔ اس فن کو وہ کرم شاستر کہتے ہیں یعنی عملیات جو علم فقہ ہے۔" (ترجمہ)

مرزا صاحب ہندوؤں کو مشرک نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی رائے میں تمام ہندو فرقے توحید کے قائل ہیں۔ عالم کو حادث اور مخلوق خداوندی مانتے اور حشر و نشر پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی بت پرستی کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:

"ان ہندوؤں کی بت پرستی الوہیت میں شرک نہیں بلکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔" (ترجمہ)

اور آگے چل کر وہ اس حقیقت کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ

"ان لوگوں کی بت پرستی کی حقیقت اتنی بھر ہے کہ چند شخصیتوں کی صورتیں بناتے ہیں۔ مثلاً ان فرشتوں کی جو بحکمِ خداوندی عالم کون و فساد میں تصرف کرتے ہیں۔ یا بعض کاملوں کی ارواح جن کا تصرف جسم چھوڑنے کے بعد ان کے اندر اس جہان میں بھی باقی رہتا ہے۔ یا بعض زندہ لوگ جو ان کے خیال میں حضرت خضرؑ کی طرح زندۂ جاوید ہیں۔ ان کی صورتیں بنا کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس توجہ کی وجہ سے ایک مدت کے بعد ان ہستیوں سے (جن کی یہ تصویریں ہیں) خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے وہ اپنی معاشی اور معادی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ یہ عمل ذکرِ رابطہ سے مشابہ ہے جو صوفیۂ اسلامیہ کا معمول ہے۔ وہ (صوفیہ) شیخ کا تصور کرتے ہیں اور فیوض حاصل کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ (صوفیۂ اسلامیہ) کوئی ظاہری تصویر نہیں تراشتے۔ کفارِ عرب بتوں کو متصرف اور موثر بالذات کہتے تھے نہ کہ تصرفِ الٰہی کا ذریعہ۔ نیز وہ بتوں کو زمین کا خدا اور اللہ تعالےٰ کو آسمان کا خدا مانتے تھے اور یہ شرک در الوہیت ہے۔ ہندوؤں کا بتوں کو سجدہ کرنا سجدۂ تحیت ہے نہ کہ سجدۂ عبودیت۔

ان ہندوؤں کے دین کے قواعد و ضوابط میں (زندگی کے لیے) مکمل نظم و نسق موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مرتب دین تھا جو اب منسوخ ہو گیا ہے۔" (ترجمہ)

"وان من قریۃ الا خلا فیہا نذیر" اور "ولکل امۃ رسول" اور دوسری آیتوں کی رو سے ممالکِ ہند میں بھی انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں اور ان کے حالات ان (ہندوؤں) کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان کے جو کچھ بھی آثار باقی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (مبعوثین) بڑا کامل (مکمل) مقام رکھتے تھے۔

رحمتِ عامہ نے اس دیسع ملک کے باشندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھنے میں کسی فروگزاشت سے کام نہیں لیا۔" (ترجمہ)

اُن کی یہ بھی رائے ہے کہ تناسخ کے عقیدے سے کفر لازم نہیں آتا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ مرزا مظہر جان جاناں کے نزدیک ہندو قوم (بالعموم) مشرک نہیں۔ وہ صحیح معنوں میں عرب مشرکین کی طرح بت پرست بھی نہیں۔ وہ اہل کتاب بھی ہیں۔ ان میں انبیا مبعوث ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے عقیدۂ تناسخ سے کفر لازم نہیں آتا۔ ہمارے نزدیک موصوف کے ان خیالات میں گفتگو کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اس وقت اس پر کوئی بحث مقصود نہیں۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ مرزا جان جاناں کے ان خیالات پر صاحبِ مضمون کا تبصرہ یہ ہے کہ ان سے مرزا صاحب کے فضل و کمالِ علمی کے علاوہ ان کے نقطۂ نگاہ اور وسعتِ مشرب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حلقۂ معارف کے بھی یہی خیالات نہ ہوتے تو وہ کہیں نہ کہیں مرزا صاحب کے ان خیالات پر اختلافی نوٹ یا فاضل مضمون نگار کے اس تبصرے سے کہ "یہ علمی فضل و کمال اور وسعتِ مشرب ہے" اختلاف کرتے۔ اب اس تناقض کو اربابِ معارف ہی دور کر سکتے ہیں کہ جب مرزا صاحب ہندو قوم کا صراحت سے نام لے کر ان کے مشرک ہونے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں۔ تو یہ حضرات اسے علمی فضل و کمال، اور وسیع المشربی قرار دیتے ہیں لیکن آج اگر یہیچ مداں محمد جعفر پھلواروی یہی مضمون ابوبکر جصاص کی احکام القرآن سے نقل کرے، تو ہندو قوم کا نام نہ لینے کے باوجود بھی وہ گمراہ ہوتا ہے۔ تحریفِ دین کا مرتکب ہوتا ہے اور "الدین یسر" کا صرف اتنا ہی حصہ نہیں بلکہ پوری کتاب ہی "دینی حیثیت سے سخت گمراہ کن" قرار پاتی ہے (جیسا کہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے معارف میں لکھا گیا ہے) گویا اصول یہ ہوا کہ سو سال پہلے اگر کوئی بات لکھی جائے تو وہ وسیع المشربی اور علمی فضل و کمال ہے اور اگر وہی بات اپنے دور میں کوئی لکھ دے تو کفر ہو جاتی ہے۔ اسے کہتے ہیں ماضی پرستی جس میں یہ حضرات معلوم نہیں کب تک مبتلا رہیں گے۔

اسی مضمون میں ایک دلچسپ چیز اور بھی ہے اور وہ ہے ذکرِ سماع۔ مرزا جان جاناں فرماتے ہیں:

"مسئلہ سماع میں ائمہ فقہا اور حضرات صوفیہ کا سخت اختلاف ہے۔ پہلے گروہ (فقہا) کا کہنا ہے کہ سماع مطلقاً حرام ہے اور دوسرے گروہ (صوفیہ) کا قول ہے یہ مطلقاً حلال ہے۔" (ترجمہ)

اب اس تضادِ عمل کو بھی معارف کی مجلسِ ادارت ہی دور کر سکتی ہے کہ اگر یہی بات ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کا ایک رفیق اپنی کتاب "اسلام اور موسیقی" میں لکھ دے تو باایں ہمہ ادعائے تصوف یہ پوری مجلسِ ادارت سر پر آسمان اٹھا لیتی ہے۔ اور اگر مرزا جان جاناں یہی بات لکھ دیں تو اربابِ معارف کے نزدیک یہ حقائق و معارف کا

خزانہ بن جاتا ہے۔ آپ سمجھے یہ کیا نفسیات ہے؟ وہی قدامت پرستی اور ماضی پرستی۔

مرزا صاحب نے سماع کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ مباح اور غیر مباح (اسلام اور موسیقی میں اس مسئلے کی پوری وضاحت موجود ہے) مرزا صاحب حرام سماع تو نعوذ باللہ کیا سنتے حلال سماع بھی نہیں سنتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:

داینکہ جماعتے از ارباب کمال رغبت بہ سماع مباح نیز ندارند از خصوصیاتِ ذوقی است نہ از احکام شرعی۔ یعنی بعض اہل کمال نے مباح سماع سے بھی جو پرہیز کیا تو اس کی وجہ محض ان کا ذاتی ذوق تھا۔ یہ وجہ نہ تھی کہ شرعاً بھی وہ اسے واجب الترک سمجھتے تھے۔

یہی بات اگر آج کوئی بندۂ خدا الکھ دے تو وہ مستحق ملامت ہو جاتا ہے کیونکہ بدقسمتی سے وہ ایک صدی پہلے نہیں پیدا ہوا۔ اور اگر یہی باتیں ۱۳۰۹ھ کی چھپی ہوئی "کلمات طیبات" میں ہوں تو ارباب معارف سر آنکھوں پر رکھ کر اسے شائع فرماتے اور اسے علمی فضل و کمال اور وسعت مشرب قرار دیتے ہیں۔ جب حق پرستی پیش نظر ہو تو وہ زمان و مکان کے حدود سے بھی آگے ہوتی ہے اور جب شخصیت پرستی آجائے تو حق پرستی کو عصری پیمانوں سے ناپنا دینی فرض ہو جاتا ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک، وقت کی دو قسمیں ہیں۔ ماضی، قابلِ پرستش اور حال، لائق استحقار۔ رہا مستقبل تو ظاہر ہے کہ جو ماضی میں کھویا ہوا اور حال سے بے خبر ہو وہ مستقبل پر کیا نظر رکھے گا؟

محمد جعفر پھلواروی